مولانا ارشد جمال اشرفی

الاسلام مشن بنارس

سائنسی حقائق کی روشنی میں

مولانا ارشد جمال اشرفی

الاسعاد مشن بنارس

اِس کتاب میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں ایک لمبے چوڑے چٹیل میدان میں کھڑا تھا۔ کہیں کہیں اِکّا دُکّا درخت بھی تھے۔ اچانک دیکھتا ہوں کہ زمین کئی جگہوں سے دھنس گئی اور اس میں سے کچھ مادے خارج ہو ہو کر جمع ہونے لگے۔ ایک جگہ وہ مادے جمع ہو کر گارے کی شکل اختیار کرنے لگے۔ دوسری جگہ اینٹ کی شکل بننے لگی اور تیسری جگہ وہ گارے جمع ہو کر لوہے کی شکل میں تبدیل ہونے لگے۔ کچھ دیر تک یہ عمل جاری رہا۔ جب اینٹ، گارے اور لوہے کا ایک بہت بڑا ڈھیر اکٹھا ہو گیا تو آپ ہی آپ ساری اینٹیں گاروں کے ساتھ مل کر دیوار کی صورت میں کھڑی ہونے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف دیواریں اٹھ گئیں اور ان دیواروں کے بیچ آپ ہی آپ کمرے بننے لگے۔ چھت ڈھلنے کی باری آئی تو لوہے کا ایک حصہ پگھل کر ''گاڈر'' بن گیا۔ جو ہوا میں تیرتا ہوا دیواروں پر آٹکا۔ اس طرح ضرورت کے مطابق کئی گاڈر آتے اور ٹکتے گئے۔ اور اُس پر چھت تیار ہو گئی۔ پاس ہی ایک درخت تھا جس کا تنا اچانک کٹ کر گر پڑا۔ پھر اس تنے سے تختے بن بن کر نکلنے لگے۔ وہ تختے کھڑکیوں اور دروازوں میں تبدیل ہونے لگے۔ کمروں میں جہاں جہاں کھڑکیوں اور دروازوں کی ضرورت تھی یہ جا جا کر فٹ ہونے لگے۔ چند گھنٹوں کے اس عمل کے بعد ایک عالیشان سہ منزلہ عمارت سامنے کھڑی تھی۔ جو ہر طرح سے خوبصورت بھی تھی، مکمل اور مضبوط بھی۔ نہ وہاں کوئی انجینئر تھا نہ بلڈر، نہ مستری نہ مزدور۔ خود بخود کام چلتا رہا، آگے بڑھتا رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوبصورت اور مضبوط عمارت تیار تھی۔

ان باتوں کو سن کر آپ فیصلہ کر چکے ہوں گے کہ میں اپنا کوئی خواب بیان کر رہا ہوں یا پھر گپ ہانک رہا ہوں۔ اگر میں دونوں ہی باتوں کا انکار کر دوں اور کہوں کہ نہ یہ خواب ہے اور نہ کوئی گپ شپ تو پھر آپ فوراً ہی بول پڑیں گے کہ تمہارا دماغ خراب

ہو گیا ہے۔ کہیں بغیر مزدور مستری کے بھی کوئی عمارت بن سکتی ہے۔ اینٹ گارے، لوہے، لکڑی بھلا خود بخود کیسے زمین سے ابل پڑیں گے؟!!

میں چند لمحوں تک سوچتا رہا کہ میری یہ بات کوئی ماننے کو تیار نہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ سے آپ کوئی کام نہیں ہوتا۔ خود بخود کوئی چیز نہیں بنتی۔ ایسے دعویدار کو زمانہ پاگل سمجھتا ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا؟

کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ چٹیل میدان میں ''محض اتفاق'' سے کوئی عمارت کھڑی نہیں ہوسکتی۔ خود بخود ایک انچ تعمیر نہیں ہوسکتی تو اتنی بڑی کائنات ''محض اتفاق'' سے کیسے بن جائے گی؟ پیڑ پودے، دریا سمندر آپ ہی آپ کیسے اُبل پڑے ہیں؟ چاند، سورج، ستارے بغیر کسی روشن کرنے والے کے کیسے جگمگا رہے ہیں؟ یہ کائنات اور کائنات کا سب کچھ ''محض اتفاق'' ہے اور اس کے پیچھے کسی بنانے والے کا ہاتھ نہیں؟ اس قسم کا دعویٰ اس بات کی درخواست کرتا ہے کہ آپ کو اپنے دماغ کے علاج کی ضرورت ہے۔ جب خود سے ایک انچ تعمیر نہیں ہوسکتی تو اتنی بڑی کائنات کیسے وجود میں آسکتی ہے؟ کیا آپ دانشمندوں کے خلاف نہیں جا رہے؟ آپ کائنات کی ایک ایک چیز کو گھور گھور کر دیکھیں اور اپنے علم کے مطابق سمجھنے اور جانچنے کی کوشش کریں تو آپ کو ہر لمحہ یہ یقین ہوتا جائے گا کہ اس کائنات کا کوئی بنانے والا ضرور ہے۔ جو اس کائنات کا اور کائنات کی ایک ایک چیز کا خالق ہے۔ وہ کائنات کا صرف خالق ہی نہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ کائنات کو بنا کر فرصت پا گیا اور اب آرام میں ہے۔ نہیں نہیں!! وہ اس کائنات کا منتظم اور مدبّر بھی ہے۔ یہ چاند سورج کا نظام، یہ پیڑ پودوں کی نشو ونما کی تدبیر سب اسی سے ہے۔ وہ اگر اپنا انتظام بند کردے تو ابھی چاند سورج زمین پر ٹپک پڑیں گے۔ اگر وہ اپنی تدبیر روک لے تو سارے پیڑ پودے مرجھا جائیں گے اور پوری زمین بنجر ہو جائے گی اور پھر کوئی جاندار زندہ نہ رہے گا۔ پوری دنیا چٹیل میدان اور گھپ اندھیرا ہو جائے گی۔

سورج اور زمین کی پیدائش

آج سے کھربوں سال پہلے ایک زبردست دھماکہ ہوا تھا۔ دھماکہ ہوتے ہی پوری خلا آگ سے بھر گئی۔ ہر طرف آگ ہی آگ۔ وہ آگ خلا میں اِدھر اُدھر گھومتی اور چکر کاٹتی رہی۔، پھر گھومتے گھومتے وہ آگ کئی حصوں میں ٹکڑے ہو کر بٹنے لگی۔ ہر ٹکڑا کٹ کر الگ ہونے لگا اور کٹ کر ایک جانب نکل پڑا۔

یہ سورج بھی اسی آگ کا کٹا ہوا ایک بہت بڑا گولا ہے۔ سورج کٹ کر الگ ہوا تو وہ بھی بدستور گھومتا رہا۔ کچھ عرصے بعد اس سے بھی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کٹ کر الگ ہونے لگے۔

ہماری زمین سورج ہی کا کٹا ہوا ایک ٹکڑا ہے۔ زمین جب سورج سے الگ ہوئی تو وہ بھی آگ کے گولے کی شکل میں گھومتی رہی۔

پہاڑ کی پیدائش

شروع شروع میں زمین ہچکولے کھا کھا کر گھوم رہی تھی، جیسے کوئی کشتی موجوں کی لپیٹ میں آجائے اور چلتے چلتے ڈانواڈول ہو جائے، چونکہ زمین کے اندر آگ ہی آگ تھی اس لئے آگ کے بڑے بڑے، لمبے لمبے اور گہرے گہرے شعلے باہر نکلنے کے لئے بے تاب تھے اور زمین کی سطح اُن طاقت وَر شعلوں کو روک رہی تھی۔ اس عمل سے زمین پر لرزہ طاری ہو گیا اور زمین ہچکولے کھانے لگی۔ بالآخر سطح کمزور پڑ گئی اور زمین ایک دھماکے کے ساتھ جگہ جگہ سے پھٹ گئی۔ بڑے بڑے لمبے گہرے شعلے اندھا دھند سطح سے نکل کر باہر فضا میں لپکے۔ فضا میں آتے ہی وہ ٹھنڈے پڑ گئے۔ شعلوں کے ساتھ جو مادے تھے وہ باہر آکر جم گئے۔ جمے ہوئے یہی مادے پہاڑ ہیں۔ جس سے زمین کے جھٹکے اور ہچکولے ختم ہو گئے۔ لیکن زمین اپنے پہاڑوں کے ساتھ گھومتی ہی رہی۔

دریااور سمندر کی پیدائش

گھومتے گھومتے زمین کی سطح ٹھنڈی ہونے لگی۔ زمین کی سطح ٹھنڈی تو ہوگئی مگر حرارت اب بھی بہت زیادہ تھی۔ اِس وجہ سے اُس سے اٹھنے والی بھاپ پانی بننے نہیں پاتی تھی۔ جب حرارت کچھ کم ہوئی تو بھاپ پانی میں تبدیل ہونے لگی اور زمین پر برسنے لگی۔لیکن زمین پر اب بھی اتنی زیادہ حرارت تھی کہ وہ پانی زمین پر پڑتے ہی دوبارہ بھاپ بن کر اڑ جاتا۔زمین گھومتی رہی اور ٹھنڈی ہوتی رہی۔ بھاپ سے پانی اور پانی سے بھاپ بننے کا عمل جاری رہا، یہاں تک کہ زمین کی حرارت اس قدر کم ہوگئی کہ جب زمین کی بھاپ پانی بن کر برسی تو پانی زمین کے نشیبی علاقوں میں جمع ہونے لگا جو آج جھیل ،ندی اور سمندر کی شکل میں موجود ہے۔ اس طرح زمین پر جانداروں کے آباد ہونے اوران کے زندہ رہنے کا انتظام عمل میں آیا۔

کوئی ہے ضرور

یہ سورج کا بننا اوراس سے زمین کا نکلنا اور پھر زمین کا رہائش کے لئے موزوں ہو جانا......کیا محض ایک اتفاق ہے؟ اس کے پیچھے کوئی ارادہ کام نہیں کر رہا؟ ساتھ ساتھ کوئی قدرت لگی ہوئی نہیں؟ کسی تدبیر کا ہاتھ اس پر نہیں؟ اگر یہ محض ایک اتفاق ہے تو پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جس طرح سورج سے کٹ کر پہلے ایک زمین بنی تھی؛ بعد میں بھی اسی طرح کوئی زمین کٹ کر الگ ہو جاتی؟ تخلیقی دور میں تو سورج سے کٹ کٹ کر کئی ایک سیارے بنے ،لیکن پھر کسی دور میں سیاروں کی تخلیق کیوں نہیں ہوئی؟ یا مستقبل میں اس کا امکان کیوں نہیں کہ پھر کوئی سیارہ سورج سے کٹ کر وجود میں آتا؟ کوئی طاقت ضرور ہے جس نے سورج کو ٹکڑوں میں بٹنے سے روک رکھا ہے۔اس کے پیچھے کسی کا ارادہ ضرور کام کر رہا ہے تا کہ زمین پر زندگی ممکن ہو سکے۔ اگر اب سورج کا کوئی حصہ کٹ کر الگ ہوا تو سورج کی روشنی اور حرارت میں فرق پڑ جائے گا اور زمین کی زندگی بری طرح متاثر ہو کر تہس نہس ہو جائے گی۔ضرور یہ کسی کی تدبیر اور کسی کا حسن انتظام ہے جو زمین کو پہلے ہی دن

سے آج تک ضرورت بھر مناسب مقدار میں روشنی اور حرارت فراہم کیئے جا رہا ہے۔

زمین جب ہچکولے کھا رہی تھی اور لگا تار جھٹکوں سے دو چار تھی تو اس کی سطح سے بہت سے پہاڑ نکل آئے۔ یہ سورج بھی تو آگ کا ایک سمندر ہے۔ یہ آگ کی بھیانک گرمی میں تپ کر ہچکولے کیوں نہیں کھانے لگا؟ اس پر لرزہ کیوں نہیں طاری ہوا؟ اس کی سطح سے بھی دو چار پہاڑ کیوں نہیں پھٹ کر باہر نکل آئے؟ زمین کے لئے الگ سسٹم سورج کے لئے الگ؟ کوئی ہے جبھی تو یہ دونوں اتنے منظّم ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف۔ ورنہ اتفاق ٹھیک اس کے برعکس بھی ممکن تھا۔

جب زمین کٹ کر الگ ہوئی تو وہ گھومتے گھومتے کئی ارب سال پہلے ہی ٹھنڈی ہوگئی۔ یہ عمل اگر آپ سے آپ ہوا تھا تو سورج بھی گھومتے گھومتے آج کیوں نہیں ٹھنڈا پڑ جاتا؟ یہ کس کا انتظام ہے کہ اس نے زمین کو ٹھنڈا کر دیا اور سورج کی حرارت میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیا؟ اگر اتفاق سے سورج گھومتے گھومتے ٹھنڈا ہو گیا ہوتا تو زمین کی زندگی کا حال کیا ہوتا؟ کوئی تو ہے جو زمین کی زندگی کے لئے سورج کو کبھی ٹھنڈا ہونے نہیں دیتا۔ اگر یہ سب اتفاق سے ہے تو اس کائنات میں کبھی بھی کوئی اتفاق ہوسکتا تھا؛ اس صورتِ حال میں زمین والے کس امید پر اتنی ترقی کرتے اور آئندہ کے لئے ترقی کے بے شمار منصوبے تیار کرتے؟؟؟

زمین جب پیدا ہوئی تو اسے برابر جھٹکے لگ رہے تھے اور وہ ہچکولے لے رہی تھی تو اس کی روک تھام کے لئے پھٹ پھٹ کر زمین سے پہاڑ نکل آئے۔ زمین شدید جھٹکوں اور خطرناک ہچکولوں سے تو محفوظ ہوگئی، لیکن زمین کو اب بھی جھٹکے لگتے ہیں جو زلزلے کی صورت میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ آج ایسا اتفاق کیوں نہیں ہوتا کہ زمین اپنے آپ کو ان زلزلوں سے محفوظ کرنے کے لئے پھر دو چار پہاڑ اپنی سطح پر کھڑا کر دے۔ تخلیقی دور میں پہاڑ کے بننے کا عمل شروع ہوا اور اسی دور میں ختم ہو گیا۔ کیا اس سے یہ وضاحت نہیں ہوتی کہ کوئی اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت زمین کو پیدا کرنا چاہتا تھا؟ جتنے پہاڑوں کی زمین کو ضرورت تھی

جب اتنے کا انتظام ہوگیا تو اس نے پہاڑوں کو بنانے کا کام بند کر دیا اور جب بند کر دیا تو کسی دور میں بھی کوئی ایک چھوٹا سا بھی پہاڑ برآمد نہیں ہوا۔ ورنہ جب یہ سب کچھ اتفاق سے تھا تو بعد میں بھی کبھی دو چار اتفاق ایسا ہو جاتا۔ درحقیقت یہ سب کچھ اتفاق سے نہیں؛ بلکہ کسی بڑے حکمت والے کی تدبیر سے تھا۔

سورج سے خالق تک

سورج اور زمین کی پیدائش پر آپ جس قدر غور فرمائیں گے؛ اسی قدر آپ کو ایک غیر محسوس ہستی کا اعتراف ہوگا، جو کائنات کا خالق بھی ہے مدبّر اور منتظم بھی۔

سورج اپنی پیدائش سے لے کر آج تک ایک ہی حالت پر برقرار ہے۔ اُسے جس راستے پر ڈال دیا گیا ہے اُس پر آنکھ بند کر کے وہ چلا جارہا ہے۔

آپ سورج کو ذرا معقولیت پسند ذہن سے دیکھیں تو آپ کی ہر سوچ اس غیر مرئی ہستی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے گی جس کی نگرانی میں یہ سورج روشن بھی ہے اور صحیح و سالم بھی اور آج تک وہ اپنے راستے سے ایک انچ نہیں ہٹا۔

سورج آگ کا ایک بہت بڑا سمندر ہے، جو بتیس کروڑ (*32,00,00,000*) کلومیٹر تک گہرا ہے اور تیرہ لاکھ پچاسی ہزار (*13,85,000*) کلومیٹر تک لمبا چوڑا۔ اس کی گہرائی میں ایسی بھڑک دار آگ ہے جوا
پنی سطح کو پھاڑ کر دھماکے کی صورت میں ایک جھٹکے سے نکلتی ہے اور دور خلا میں جا گرتی ہے۔ اس دھماکے کے ساتھ آگ کے بڑے بڑے لوکے اور گہرے گہرے شعلے خلا میں بلند ہوتے ہیں۔ جس سے ایک جھماکے دار روشنی پھوٹتی ہے جو خلا کے بہت سے سیاروں کو مسلسل روشن کئے رہتی ہے۔ ایک منٹ میں پچیس کروڑ (*25,00,00,000*) ٹن مادّے خارج ہوتے ہیں جو روشنی اور حرارت دونوں کا کام دیتے ہیں۔

یہ سورج ہماری زمین کی سلامتی کا ذمہ دار اور جاندار کی زندگی کا ضامن ہے۔ روزِ

اول سے آج تک سورج زمین کی مخلوق کو یکساں فیض بانٹ رہا ہے۔ یہ اس میں کوئی کوتاہی کرتا ہے اور نہ کسی طرح کا کوئی نقصان پہنچاتا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے سب بڑے حساب سے اور صحیح صحیح ہو رہا ہے۔ اگر یہی سورج گھومتے گھومتے کچھ سکڑ جاتا اور بتیس کروڑ کلومیٹر سے صرف تیس کروڑ کلومیٹر گہرا اور تیرہ لاکھ کلومیٹر لمبا چوڑا رہ جاتا تو کیا زمین پر سورج کی روشنی اور حرارت میں کمی نہ آجاتی؟ زمین کے جانداروں کو روشنی اور حرارت کی صحیح صحیح مقدار نہ مل پاتی تو یہ ان کی تباہی کا باعث نہ ہوتا؟ آخر کون ہے جو سورج کو کمزور ہونے نہیں دیتا۔ وہ مسلسل یکساں روشنی اور حرارت زمین کو بھیج رہا ہے، کبھی اس میں کوئی فرق نہیں آجاتا؟ ہر منٹ پچیس کروڑ ٹن مادے خارج کرنے والا سورج اگر بائیس کروڑ ٹن مادے خارج کرنے لگتا تو روئے زمین پر ایک گھاس باقی نہیں رہتی۔ یہ کون ہے جو اس قدر ناپ تول کر زمین کو حرارت بانٹ رہا ہے۔ کبھی اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیا یہ ''محض اتفاق'' ہے اور یہ سب کچھ آپ سے آپ ہو رہا ہے؟ تو ضرور کبھی نہ کبھی اس حساب میں گڑ بڑی ہو جاتی لیکن روشنی اور حرارت کا ٹھیک ٹھیک حساب اور صحیح صحیح ناپ تول بتاتا ہے کہ یہ سب کسی بڑے حکمت والے کی تدبیر سے ہو رہا ہے۔ یونہی اگر سورج کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی میں موجودہ پیمائش کے لحاظ سے کچھ اضافہ ہو جائے یا پچیس کروڑ ٹن کے بجائے پچاس کروڑ ٹن مادے خارج ہونے لگیں تو پوری زمین جھلس کر راکھ ہو جائے۔ یہ کون ہے جس نے سورج کو کنٹرول کر رکھا ہے اور زمین کو سورج سے پیدا ہونے والی ہر تباہی سے بچا لیا ہے؟

پچیس کروڑ ٹن خارج ہونے والے مادوں سے سورج کی سطح کا درجۂ حرارت ہر وقت بارہ ہزار (12,000) فارن ہائٹ رہتا ہے۔ اس کی روشنی دو لاکھ ستانوے ہزار چھ سو (2,97,600) کلومیٹر فی سکینڈ کی رفتار سے چلتی ہے جو ۸ منٹ ۴۳ سکینڈ میں زمین تک پہنچتی ہے۔ سورج کی سطح کا درجۂ حرارت؛ زمین کی سطح کے درجۂ حرارت کا باعث ہے۔ اگر یہ درجۂ حرارت بڑھ کر چار گنا ہو جائے تو زمین کا درجۂ حرارت دو سو چوبیس (224) فارن ہائٹ ہو جائے گا۔ جبکہ دو سو بارہ (212) فارن ہائٹ پر پانی ابال کھانے لگتا ہے اور بھاپ

بن کر اڑ نا شروع ہو جاتا ہے ۔اس صورت حال میں زمین کے سارے سمندر، جھیل اور ندیاں بھاپ بن کر ہوا میں تحلیل ہو جائیں گی ۔یا اگر بھاپ بادل کی شکل میں جمع ہونا شروع ہوئی اور بادل برسا، پھر بھی زمین اپنے دامن میں پانی کی ایک بوند بھی نہیں روک سکتی ، کیونکہ برسا ہوا سارا پانی فوراً ہی بھاپ بن کر دوبارہ اڑ جائے گا۔اس طرح بہت جلد ہی ہر جاندار پانی کے بغیر تڑپ تڑپ کر دَم توڑ دے گا ۔پیڑ پودے شعلے اگلنے لگیں گے ۔جنگل جنگل آگ بھڑک اٹھے گی۔

یہ کون ہے جو سورج کے درجۂ حرارت کو بڑھنے نہیں دیتا ؟ ہمیشہ ایک متوازن درجۂ حرارت ؟ جو زمین کی زندگی کا باعث ہے!!!

اور اگر سورج کی سطح کا درجۂ حرارت بارہ ہزار (12,000) فارن ہائٹ ہی ہو مگر اس سے پیدا ہونے والی روشنی اور حرارت ۸ منٹ ۳۳ سیکنڈ میں نہ پہنچ کر دو ہی منٹ میں زمین تک آنے لگے تو روشنی اور حرارت کی مقدار زیادہ ہوتی جائے گی ۔روشنی کی زیادہ مقدار سے صحتمند آنکھ کے خراب ہونے کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔حرارت نا قابل برداشت ہو جائے گی اور جانداروں کی ہلاکت کا امکان بڑھ جائے گا۔

ہم ایک زمانے سے دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ سورج؛ روشنی اور حرارت کی ایک ہی مقدار آج تک زمین کو بھیجتا آرہا ہے۔ نہ اس کی سطح کے درجۂ حرارت میں کوئی کمی آتی ہے اور نہ زمین تک آنے کی رفتار میں ۔کیا عقل سلیم اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے۔اس کے پیچھے کوئی طاقت کام نہیں کر رہی ؟ نہ اس کا کوئی کنٹرولر موجود ہے؟!!!

سورج اپنے محور پر برابر گھومے جا رہا ہے۔پچیس دن میں وہ اپنے محور پر ایک بار گھوم لیتا ہے۔اس طرح وہ گھومتے گھومتے اپنے مدار میں آگے بڑھتا رہتا ہے اور دو سو پچیس (225) سال میں اپنے مدار کا ایک چکر لگا لیتا ہے۔آج تک ایسا نہیں ہوا کہ سورج اپنا مدار چھوڑ کر ہماری زمین کے قریب آجائے یا کہیں اور نکل جائے اور کسی سیارے یا ستارے سے ٹکرا جائے۔

زمین سے خالق تک

سورج ہمیشہ ہماری زمین سے چودہ کروڑ اٹھاسی لاکھ (***14,88,00,000***) کلو میٹر کے فاصلے پر گردش کرتا ہے۔ نہ ایک سوت آگے بڑھتا ہے اور نہ ایک سوت پیچھے ہٹتا ہے نہ زمین ہی کچھ آگے پیچھے ہوتی ہے۔ ایسا نہیں کہ ہماری یہ زمین چپ سادھے کھڑی ہے، بلکہ یہ بھی خلا میں دوسرے سیاروں کی طرح بہت تیز دوڑ رہی ہے۔ نوسو چھ (***906***) کلو میٹر فی سکینڈ کی رفتار سے گھنٹہ بھر میں چونتیس ہزار پانسو ساٹھ (***34,560***) کلو میٹر تک دوڑ جاتی ہے۔ چوبیس گھنٹے میں آٹھ لاکھ انتیس ہزار چار سو چالیس (***8,29,440***) کلو میٹر کی مسافت طے کر کے اپنے محور پر ایک بار گھوم لیتی ہے۔ زمین اسی رفتار سے گھومتی رہتی ہے اور اپنے مدار میں آگے بڑھتی جاتی ہے اور تین سو پینسٹھ (***365***) دن، چھ یا ساڑھے پانچ گھنٹے میں اپنے مدار کا ایک چکر پورا کر لیتی ہے۔ اِس طرح سال بھر میں تیس کروڑ انتیس لاکھ باون ہزار نوسو ساٹھ (***30,29,52,960***) کلو میٹر کی مسافت طے کرتی ہے۔ اس قدر تیز رفتار زمین کبھی اپنا مدار چھوڑ کر سورج سے نہیں ٹکرا جاتی۔ سورج اور زمین کسی بندھوا غلام کی طرح اپنے اپنے مدار میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کے مدار میں نہیں گھس جاتا۔ یہ کون ہے جو سورج اور زمین کو ایک ڈھرے پر چلا رہا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ٹکرانے سے بچا رہا ہے؟ کوئی اَن دیکھی طاقت ہی تو ہے جو سورج اور زمین کو کنٹرول کر رہی ہے۔ نہ سورج کی رفتار سست پڑتی ہے اور نہ زمین دوڑتے دوڑتے تھکتی ہے۔

فرض کیجیے کہ زمین فی گھنٹہ چونتیس ہزار پانسو ساٹھ (***34,560***) کلو میٹر سے نہ دوڑ کر چوتھائی رفتار سے دوڑے تو وہ ایک گھنٹے میں آٹھ ہزار چھ سو چالیس (***8,640***) کلو میٹر تک ہی پہنچ پائے گی۔ اسے آٹھ لاکھ انتیس ہزار چار سو چالیس (***8,29,440***) کلو میٹر کی مسافت طے کرنے میں پورے چھیانوے (***96***) گھنٹے لگیں گے۔ اس طرح اڑتالیس

(48) گھنٹے کا دن اوراڑتالیس(48) کی رات ہوگی۔زمین جب اڑتالیس گھنٹے تک سورج کی گرمی میں تپتی رہے گی تو اس کا درجۂ حرارت بڑھ کر چار گنا ہو جائے گا۔شدید گرمی کی وجہ سے جاندار اور پیڑ پودے خطرے میں پڑ جائیں گے۔جانیں سوکھ جائیں گی اور پیڑ پودے جھلس اٹھیں گے۔اور جب رات آئے گی تو رہی سہی کسر پوری ہو جائے گی۔اڑتالیس گھنٹوں کی رات میں اوس کھا کھا کر پیڑ پودے گل جائیں گے اور جاندار ٹھٹھر کر مر جائیں گے۔سونے جاگنے کا پورا اسسٹم بگڑ کر رہ جائے گا۔کھانے پینے کے سامان غیر محفوظ ہوں گے۔لیکن کھربوں سال سے کبھی ایسا نہ ہوا کہ زمین دوڑتے دوڑتے تھک گئی ہو اور اس کی رفتار سُست پڑ گئی ہو۔یہ کون ہے جو زمین کو تھکنے نہیں دیتا؟ زمین مسلسل ایک رفتار سے چل رہی ہے تو چل ہی رہی ہے۔کس نے اس رفتار سے چلنے پر اسے مجبور کر رکھا ہے؟ یہ اتفاق ہے تو اتفاق کبھی ختم کیوں نہیں ہو جاتا؟ اگر یہ اتفاق ختم ہوا اور زمین اپنی مقررہ چال سے ہٹی تو زمین پر پائی جانے والی زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی۔زمین اپنی تمام رونقوں کے ساتھ باقی ہے۔زمین پر زندگی مسکرا رہی ہے۔کیا یہ کسی کے چاہے بغیر ہو رہا ہے؟ زمین آج تک محفوظ ہے۔کیا کسی حفاظتی تدبیر کے بغیر ہی محفوظ ہے؟ اس کا کوئی محافظ نہیں؟ اس کا کوئی نگراں نہیں؟ ایک لاکھ پندرہ ہزار چار سو سولہ (1,15,416) کلومیٹر لمبی چوڑی زمین کسی پاور کے بغیر ہی گھوم رہی ہے؟ کسی کنٹرولر کے بغیر ہی ٹکرانے اور ٹکرا کر پھٹنے سے محفوظ ہے؟

زمین اگر موجودہ پیمائش سے چار گنا بڑی ہوتی اور یہ چار لاکھ اکسٹھ ہزار چھ سو چوسٹھ (4,61,664) مربع کلومیٹر ہوتی تو موجودہ سورج ناکافی ہوتا۔زمین کو روشنی اور حرارت کی پوری مقدار نہ مل پاتی اور نہ رات اور دن کا نظام صحیح چل پاتا۔دن اور رات کے لگے بندھے نظام میں فرق آجاتا۔چوبیس گھنٹوں کے بجائے زمین اکیس گھنٹوں ہی میں اپنے محور پر ایک بار گھوم لیتی۔پورا ایک دن چوبیس کے بجائے اکیس گھنٹوں کا ہوتا۔

اتنا نَپا تُلا حساب اور ایسا جانچا پرکھا نظام خود بخود ہو گیا ہے یا کسی کی اعلیٰ قدرتوں اور شاندار تدبیروں کا نتیجہ ہے؟!!!

زمین ایک مناسب ڈیل ڈول اور شاندار قد وقامت کے ساتھ اپنے محور پر ٹھیک ٹھیک گھوم رہی ہے اور اپنے مدار میں آگے کی طرف بڑھتی جارہی ہے۔ کروڑوں سال پہلے جس طرح گھوم گھوم کر زمین روشنی اور تاریکی بٹورتی تھی اور دن اور رات لاتی تھی۔ کروڑوں سال بعد بھی ہر نیا دن پرانے دن کی طرح اور ہر نئی رات پرانی رات کی طرح۔ بال برابر کوئی فرق نہیں۔

زمین کی گردش میں حکمت وتدبیر کی ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ زمین سیدھی کھڑی کھڑی نہیں گھوم رہی ہے، بلکہ داہنی جانب جھک کر ساڑھے تئیس [23.5] ڈگری کا زاویہ بناتے ہوئے دکھن سے اتر اور پورب سے پچھّم کی طرف گھومتے ہوئے آگے بڑھ رہی ہے۔ زمین کا [23.5] ڈگری یہ جھکاؤ ''محض اتفاق'' نہیں، بلکہ زمین کو آباد رکھنے کے لئے ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قطبین کے علاقوں میں ہمیشہ رات ہی رہتی۔ جھک جانے کی وجہ سے قطبین کے علاقے بھی روشن ہو جاتے ہیں۔ سورج کی روشنی اوپری سرے اور نچلی سطح تک بھی پہنچتی رہتی ہے۔

اگر یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھنے والے بخارات سیدھے شمال اور جنوب کی طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔ جھکاؤ کی وجہ سے اوپری سرے سے ٹکرا ٹکرا کر مشرق اور مغرب میں پھیلتے رہتے ہیں۔ اس لئے چاروں سمتوں میں بارش ہوتی ہے ورنہ مشرق اور مغرب برسات سے کبھی لطف اندوز نہ ہوسکتے۔ اسی جھکاؤ کی وجہ سے چاروں جانب جاڑا، گرمی، بہار اور خزاں کے موسم بدل بدل کر آتے رہتے ہیں۔ اس قدر توازن اور اعتدال کے ساتھ ہماری زمین کو کس نے جھکا رکھا ہے؟ اگر یہ خود بخود جھک پڑی تھی تو ذرا اور کیوں نہ جھک گئی۔ [23.5] کے بجائے پورے پچاس ڈگری جھک گئی ہوتی۔ یا سیدھی کھڑی رہتی۔ مگر چونکہ دونوں ہی صورتوں میں زندگی مشکل میں پڑ جاتی اس لئے جھکانے والے نے پوری تدبیر اور بھرپور حکمت سے اسے اس طرح جھکایا کہ زمین پر زندگی آسان ہوسکے۔

زمین اپنی پوری طاقت سے دوڑ رہی ہے اور سورج کے پھیرے کاٹ رہی ہے۔
کہتے ہیں کہ سورج کے اندر کشش ہے۔ وہ ہر سیارے کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ زمین پر بھی وہ اپنی کشش کا دباؤ ڈال کر اپنی طرف مستقل کھینچے جا رہا ہے۔ لیکن زمین کے اندر ''قوت گریز'' پائی جاتی ہے۔ سورج جس قدر زمین کو کھینچتا ہے؛ اسی قدر زمین اس سے بھاگتی جاتی ہے جس کے نتیجے میں زمین گھومنے لگ گئی۔

ہمارے نظام شمسی کے تمام سیارے (عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، یورینس، نیپچوں اور پلوٹو) چونکہ سورج ہی سے ٹوٹ کر بنے ہیں اس لئے ان کے اندر بھی کشش موجود ہے اور یہ سب مل کر سورج کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں، مگر سب کی کشش اپنی اپنی جگہ پر کمزور ہے۔ اس لئے وہ سورج کو کھینچ نہ پا کر اس کے اردگرد اس کی کشش سے گھومنے لگے اور سورج بھی ان سیاروں کی کشش سے متأثر ہو کر گھوم رہا ہے۔

کیا آپ کو اندازہ ہے؟ کہ سورج میں کشش کی قوت کہاں سے آ گئی؟ اور جب یہ زمین کو کھینچنے لگا تو اس کے اندر گریز کی قوت کس نے ڈال دی؟ اگر یہ ''قوت گریز'' نہ ہوتی تو چھیانوے سو (9,600) سو کلو میٹر کی رفتار سے ہماری زمین ایک سال، ۹ مہینے، ۱۶ دن، ۴ گھنٹے کے اندر اندر کھنچ کر سورج کے آگ بھرے گہرے سمندر میں چھلانگ لگا چکی ہوتی۔ یہ کون ہے؟ جو زمین کو سورج میں گرنے نہیں دیتا۔ یہ کس کی روک ہے کہ سورج اپنے سیاروں کو کھینچ نہیں لیتا؟ اگر اس کے پیچھے کوئی طاقت کام نہ کر رہی ہو تو یہ توازن کبھی بھی بگڑ جائے اور تمام سیارے ایک دوسرے سے ٹکرا کر ایک دھماکے کے ساتھ سورج کی آغوش میں جا پڑیں اور سورج دھماکے کے زور سے کسی دوسرے نظام شمسی میں کود پڑے اور پھر تباہیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہو۔ تباہی کے اس بڑے امکان سے بچانے والا کون ہے؟

دنیا کے کسی بھی کونے میں ایک معمولی مشین بھی ایسی ہے جو خود بخود چل پڑی ہو اور اس کا چلانے والا کوئی نہ ہو؟ یا ایک بار کسی نے چلا کر چھوڑ دیا ہو اور وہ دسیوں سال سے آپ ہی آپ چل رہی ہو اور اس کی دیکھ ریکھ کرنے والا کوئی موجود نہ ہو؟ کسی مشین کا ایک

پرزہ بھی جب اس طرح نہیں چل سکتا تو کائنات کی اتنی بڑی مشین آپ ہی آپ کیسے چل پڑی ہوگی؟ اور چلنے کے بعد کسی نگراں سے کیوں بے نیاز ہوگئی ہوگی؟ ضرور اس کائنات کو چلانے والا کوئی خالق بھی ہے اور اس کی دیکھ ریکھ کرنے والا کوئی باشعور منتظم بھی اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک و مدبّر بھی۔

ہوا کا انتظام اور خالق کائنات

کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سورج اور زمین اپنی پوری صحت وسلامتی اور اعتدال و توازن کے ساتھ آپ ہی آپ پیدا ہو کر اپنے اپنے مدار میں دوڑنے لگے؟ اور ہماری یہ زمین جانداروں کی زندگی اور پیڑ پودوں کی نشو ونما کے لئے ہر طرح سے سازگار ہوگئی؟ یہ زمین اس وقت تک کسی لائق نہیں ہوسکتی تھی جب تک کہ اس کے لئے دو اضافی انتظامات نہ کردیئے جاتے۔ایک ہوا کا انتظام، دوسرے اوزن (ozon) کا۔

ہوا اور اوزون ہی کی وجہ سے تو زمین پر زندگی ممکن ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ جس سیارے پر ہوا اور اوزون کا انتظام نہیں؛ وہاں زندگی بہرحال مشکل ہے بلکہ محال۔ چاند پر اسی لئے نہ زندگی ہے اور نہ زندگی کے آثار اور نہ ہی آئندہ زندگی ممکن ہوسکتی ہے، کیونکہ وہاں ہوا اور اوزون کا انتظام نہیں۔

کیا بات ہے کہ زمین پر ہوا بھی ہے اور اس کے لئے اوزون کا انتظام بھی۔ اور چاند پر ان میں سے کچھ بھی نہیں؟! کیا اس سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کسی نے جان بوجھ کر زمین کو اس قابل بنایا ہے کہ یہاں زندگی ممکن ہوسکے۔ ورنہ یہ اتفاق ہے تو چاند پر یہ اتفاق کیوں نہیں پیدا ہوگیا؟ کسی دوسرے سیارے پر بھی اتنی ہوا نہیں کہ وہاں زندگی آسان ہوسکے۔ لے دے کے زمین ہی پر ہوا ہے اور اوزون بھی۔

آپ تصور کیجئے کہ زمین پر ہوا نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟

عام طور پر تو لوگ بس اتنا سمجھتے ہیں کہ جاندار کی زندگی سانسوں پر ٹکی ہوئی ہے۔

اگر ہوا نہ ہوتی تو پل بھر سانس لینا مشکل ہو جاتا اور جاندار گھُٹ گھُٹ کر مر جاتا۔ یا پیڑ پودوں کی نشو ونما خطرے میں پڑ جاتی۔

ہوا کے تین اہم فائدے

لیکن ہوا صرف اِس لئے نہیں کہ جاندار اِس سے آکسیجن حاصل کرے اور پھر کاربن ڈائی آکسائیڈ بنا کر اسے خارج کر دے جو پیڑ پودوں کی زندگی کا باعث بن سکے، بلکہ ہوا کے ذمہ کچھ دوسرے اہم کام بھی ہیں۔

پہلا فائدہ

چونکہ سورج سے بہت ساری کرنیں پھوٹ کر زمین پر اترتی ہیں۔ کچھ کرنیں تو وہ ہیں جو دکھائی دیتی ہیں۔ دکھائی دینے والی سات کرنیں ہیں: بنفشی، نیلی، آسمانی، سبز، زرد، نارنجی اور سرخ۔ اور نہ دکھائی دینے والی کرنوں کو ''بالا بنفشی'' اور ''زیر احمریں'' کہا جاتا ہے یہ ساری کرنیں بہت زیادہ حرارت پیدا کرنے والی بھی ہوتی ہیں اور نقصان پہنچانے والی بھی۔ اگر زمین کے چاروں طرف ۱۶ کلومیٹر کی بلندی تک ہوا نہ ہوتی تو یہ کرنیں سیدھی زمین پر اتر آتیں اور ہر طرف ایک ایک چیز کو نقصان پہنچاتی پھرتیں۔ لیکن ہوا کے باریک باریک ذرے ان کرنوں کو پھوڑ کر کمزور کر دیتی ہیں۔ پھر ان میں یہ صلاحیت نہیں رہ جاتی کہ وہ کچھ گڑ بڑ کر سکیں۔ کرنیں ہوا کے غلاف سے چھن چھن کر آتی ہیں جو جانداروں کے لئے سازگار اور پیڑ پودوں کے لئے خوشگوار ثابت ہوتی ہیں۔

دوسرا فائدہ

ہوا کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ سورج سے نکلنے والی حرارت کا بہت سا حصہ اپنے اندر جذب کر لیتی ہے پھر اس کے بعد وہ حرارت زمین پر پہنچتی ہے تو زمین کے درجۂ حرارت میں اعتدال باقی رہتا ہے۔ اگر یہ حرارت ہوا سے ملے بغیر ہی زمین پر اتر آئے تو زمین کا سب کچھ جل بھن کر خاک ہو جائے۔

تیسرا فائدہ

ہوا کا تیسرا کام یہ ہے کہ سورج کی مختلف کرنوں سے جب زمین تپ کر پوری طرح گرم ہوجاتی ہےتو سورج ڈوبنے کے بعد اس گرمی کو ہوا؛ زمین کی پوری فضا میں روکے رکھتی ہے۔ اگر ہوا کا غلاف دن بھر کی گرمی کو نہ روکے تو رات میں ایسی ناقابل برداشت ٹھنڈک پڑنے لگے کہ ہر جاندار ٹھٹھر کر رہ جائے۔ دن کی گرمی باقی رہنے سے رات کا موسم متعدل بنا رہتا ہے۔ چاند پر زندگی اسی لئے محال ہے کہ وہاں ہوا کا گذر نہیں۔ نہ وہاں کیڑے مکوڑے ہی ہیں نہ گھاس پھوس۔ کیونکہ چاند کی سطح پر مہلک کرنوں کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ ہوا نہ ہونے کی وجہ سے وہاں کا درجۂ حرارت **250** فارن ہائٹ رہتا ہے جبکہ *212* فارن ہائٹ پر پانی ابال کھا کر بھاپ بننا شروع ہوجاتا ہے۔اور جب رات آتی ہےتو اس حرارت کو باقی رکھنے والی ہوا نہیں ہوتی۔اس لئے رات کا درجۂ حرارت صفر سے نیچے گر کر *250* تک پہنچ جاتا ہے۔اس لئے رات بھی کسی جاندار کو باقی نہیں رکھ پاتی۔

ہوا کے اس مضبوط انتظام سے یہ اندازہ نہیں لگتا؟ کہ کسی نے بہت سوچ سمجھ کر زمین کو اس طرح محفوظ کرلیا ہے تا کہ یہاں زندگی ممکن ہوسکے۔جبکہ چاند ہماری زمین کی بہ نسبت سورج سے تین لاکھ آٹھ ہزار چار سو(*3,08,400*) کلومیٹر مزید دوری پر ہے۔اس لحاظ سے اگر زمین کے چاروں طرف ہوا نہ ہوتی تو یہاں کا درجۂ حرارت چاند سے بھی زیادہ ہوتا۔ یہاں چاند سے بھی زیادہ زندگی مشکل ہوتی۔ یہ کون ہے جس نے زمین پر زندگی کو آسان کردیا اور چاند پر بدستور مشکل رہنے دیا؟ یہ کون ہے جس نے زمین پر چاروں طرف ہوا کا غلاف چڑھا دیا اور چاند کو اس سے محروم رکھا؟ کوئی ضرور ہے جو زمین کو آباد رکھنا چاہتا ہےاور چاند کو سنسان اور ویران ہی چھوڑ دینے کی مرضی ہے۔

’’اوزون‘‘ کا انتظام اور خالق کائنات

ہوا زمین کی حفاظت میں کس قدر اہم رول ادا کررہی ہے۔ اگر ہوا نہ ہوتی یا بھاگ کر کہیں اور چلی جاتی تو زمین کا کیا بنتا؟ جبکہ ہوا کے اندر بھاگنے، پھیلنے اور اتر کر کہیں

اور چلے جانے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔ پھر بھی یہ اپنے مخصوص دائرے سے نکل نہیں پاتی۔ اپنی حد پر رہتی ہے؛ آگے نہیں بڑھتی۔ ہوا اگر اپنے دائرے سے بھاگ کھڑی ہو تو اپنے ساتھ آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو بھی اڑا لے جائے۔ آکسیجن نہ ملنے پر جاندار مر جائیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ نہ ملنے پر پیڑ پودے مرجھائیں۔ ہوا کو اس کے مخصوص دائرے میں روکنے کے لئے ''اوزون'' کا انتظام کیا گیا ہے۔

''اوزون'' ایک سادہ مالیکیولی گیس ہے۔ جس میں آکسیجن کے تین ایٹم موجود ہوتے ہیں۔ یہ زمین کی سطح سے ۱۶ کلومیٹر کی دوری سے شروع ہو کر ۲۳ کلومیٹر کی بلندی تک زمین کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ یہ نہ صرف آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو روکتی ہے، بلکہ بادلوں کو بھی اوپر بھاگنے نہیں دیتی۔ یہ بادل اگر زیادہ اوپر کو چڑھ جاتے تو زمین بارش سے محروم ہو جاتی۔

''اوزون'' کا بنیادی فائدہ

اوزون گیس کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ سورج سے نکلنے والی الٹراوائلٹ شعاعوں (Ultraviolet rays)....... بالا بنفشی شعاعوں.......... کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جو جاندار کے لئے بڑی ہی خطرناک ہیں۔ ان سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ جلدی بیماریوں کے ساتھ ساتھ جلد کا کینسر بھی ہو جاتا ہے۔ اوزون گیس کی موٹی تہہ اگر نہ ہوتی تو یہ سیدھی زمین پر اتر آتیں اور جاندار کی جلدوں میں گھس گھس کر انہیں بیماریوں کا گھر بنا دیتیں۔ یہ شعاعیں ایک بار میں جسم کے پندرہ ہزار خلیوں کو مردہ کر دیتی ہیں۔ اس طرح ان شعاعوں کے بار بار حملوں سے جسم بیکار اور مردہ ہو جاتا ہے۔

خالق جو مدبّر بھی ہے اور منتظم بھی

زمین و آسمان کا یہ سارا نظام، چاند سورج کی یہ لگی بندھی زندگی، خلا میں تیرنے والے بے شمار سیارے اور لاتعداد ستارے؛ سب پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہم خود سے

کائنات میں نہیں آئے۔ ہم آپ سے آپ پیدا نہیں ہوگئے، بلکہ ہمارا ایک خالق ہے، جو ہمیں چلا رہا ہے۔ ہم اسی کے پابند ہیں۔ اس کی مرضی کے بغیر نہ ہم ایک انچ آگے بڑھتے ہیں اور نہ ایک انچ پیچھے ہٹتے ہیں۔ وہ ہمارا منتظم ہے۔ وہ ہمارے اندر نت نئی تدبیروں کے ساتھ ہر پل اپنی شان کے جلوے بکھیر رہا ہے۔ گہری سماعت والے اس آواز کو سن لیتے ہیں۔ گہری نظر والے کائنات کے ماتھے کا لکھا پڑھ لیتے ہیں کہ ہمارا ایک خالق ہے جو ہمارا مدبّر بھی ہے اور منتظم بھی۔

جو لوگ بے سمجھے بوجھے چیختے رہتے ہیں کہ یہ کائنات آپ سے آپ بنی ہے۔ اس کے پیچھے کوئی طاقت کام نہیں کر رہی ہے.........دراصل ان کا علم مردہ، ان کی سماعت بوجھل اور ان کی نظر خراب ہے۔

نظامِ ہضم اور خالقِ کائنات

یہ لوگ اگر کائنات کی وسعتوں کو دیکھ کر پڑھ نہیں سکتے اور نہ اس کے موٹے موٹے لفظوں کو سمجھ سکتے ہیں تو وہ کم از کم اپنے آپ ہی کو دیکھیں۔ اپنا جسم دیکھیں اپنے جسم کا نظام دیکھیں۔ چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کہنا سننا، ہنسنا بولنا.........غرض یہ کہ اپنی ایک ایک حرکت کو نوٹ کریں اور پھر اس میں دماغ لگا کر سوچیں کہ کیا سب کچھ آپ ہی آپ ہو رہا ہے؟ یا اس کے پیچھے کوئی طاقت یا علّت بھی ہے؟ زیادہ دماغ لڑانے کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف اپنے کھانے پینے سے لے کر پیشاب پاخانے کے مرحلوں کو دیکھیں! آپ صرف اپنے نظامِ ہضم پر غور کریں تو بہت جلد اعتراف ہو جائے گا کہ ایسا عظیم الشان، مضبوط اور پائدار سسٹم کسی چلانے والے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ایسا درست نظامِ ہضم کسی مدبّر کے بغیر ممکن نہیں۔ شاید آپ کو نہیں پتہ کہ آپ کھانے کا جو ایک لقمہ منہ میں ڈالتے ہیں تو اسے کن کن دشوار گذار مرحلوں سے گذرنا ہوتا ہے۔ مگر وہ بآسانی گذر جاتا ہے۔ اس میں نہ کوئی دقت آتی ہے اور نہ رکاوٹ۔

آدمی جب ایک لقمہ منہ میں ڈالتا ہے اور اسے چباتا اور پیستا ہے تو منہ کے اندر موجود ۶ گلٹیاں فوراً تن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ دو زبان میں، دو گالوں میں اور دو کنپٹی کے قریب یہ ساری گلٹیاں چکنی اور لیس دار رطوبت خارج کرتی ہیں۔ منہ میں لعاب بننے لگتا ہے۔ ایسا تو نہیں کہ لقمہ کو چبا کر تھوک دینا ہے، بلکہ اسے پیٹ میں اتارنا ہے۔ گلٹیاں اگر منہ میں لعاب پیدا نہ کریں تو یہ لقمہ ہرگز پیٹ میں نہ اتر سکے گا اور گلے میں اٹک کر رہ جائے گا۔ کسی بڑے حکیم ہی نے تو منہ کے اندر لعاب پیدا کرنے کا عمل جاری کیا ہوگا؟ کیا کسی انسان کے بس میں ہے کہ وہ الگ سے ایک ملی گرام ہی سہی لعاب پیدا کر کے دکھائے۔ وہ کون ہے جس نے ایک خاص سسٹم سے منہ میں لعاب پیدا کرنے کا عمل جاری کیا ہے؟

پھر وہ لقمہ لعاب کے ساتھ گھل مل کر اور دانتوں تلے پس کر پتلا اور چکنا ہو کر دس انچ لمبی کھانے کی نالی (مرِی) سے سیدھے معدے میں پہنچتا ہے۔ لقمہ ہمیشہ ایک خاص راستے سے گذر کر ہی معدے میں پہنچتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اپنا راستہ بھول جائے اور اِدھر اُدھر نکل جائے۔ اگر وہ کسی دن اپنے راستے سے بہک جائے تو نہ آپ کی بھوک ہی مٹے گی اور نہ آپ کا جسم ہی سلامت رہے گا۔ کوئی تو ہے جس نے کھانے کے اس ایک لقمے کو بے راہ نہیں چھوڑا، بلکہ اس کے لئے ایک راستہ مقرر کر دیا تا کہ وہ اِدھر اُدھر بھٹک کر پریشانی کا باعث نہ بننے پائے اور سیدھا کھانے کی نالی سے معدے میں اترے۔

معدہ: مشکیزے کی شکل کا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جو ۱۲ سے ۱۵ انچ لمبا اور ۱۴ انچ چوڑا ہوتا ہے، وزن میں ۱۲۵ گرام۔ معدے سے کھٹے میٹھے قسم کا رَس ہمیشہ رِستا رہتا ہے۔ جیسے ہی چبایا ہوا لقمہ اس میں گرتا ہے؛ معدہ اسے اپنے رَس کے ساتھ ملا کر آٹے کی طرح باریک باریک پیسنا اور پکانا شروع کر دیتا ہے۔ پیستے پیستے معدہ جب زیادہ گرم ہو جاتا ہے تو اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تب یہیں پر آدمی کو پیاس لگتی ہے اور وہ پانی پیتا ہے۔ پھر معدہ؛ پیس کر اُس کی چپ چپاہٹ کو دور کر کے دودھیا رنگ کے شیرے جیسا بنا دیتا ہے۔ پھر معدہ اس پورے شیرے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے صاف ستھرا

اور پتلا رس جگر کو بھیج دیتا ہے اور بچا کھچا تلچھٹ آنتوں کی طرف سرکا دیتا ہے۔ معدہ اپنا یہ کام چار پانچ گھنٹوں میں ٹھیک ٹھیک انجام دے لیتا ہے۔ نہ اس میں کوئی گڑ بڑی ہوتی ہے اور نہ اسے کوئی دِقت پیش آتی ہے۔ اگر معدہ اس کام کو کرنے سے انکار کر دے اور وہ کھانے کو اپنے اندر جوں کا توں روکے رکھے۔ نہ اس کو پیس کر شیرے کی شکل دے اور نہ آگے بڑھائے تو ظاہر ہے کہ آدمی کچھ دنوں کے بعد مریل نظر آنے لگے گا۔ آخر معدہ کس کے حکم کا پابند ہے؟ کس کے اشارے پر رات دن چلتا رہتا ہے؟ اتنی ذمہ داری سے کس کا کام کرتا چلا آرہا ہے؟ ظاہر ہے معدے کا یہ عمل خود بخود نہیں۔ ورنہ کبھی تو وہ چلتے چلتے رک جاتا۔ کرتے کرتے تھک جاتا۔ یا معدہ پیسنے اور شیرہ بنانے کا کام تو ٹھیک ٹھاک کرے لیکن کام پورا ہونے کے بعد ایک ذرہ وہ آگے نہ بھیجے سب اپنے ہی پاس روکے رکھے یا بھیجے بھی تو سارے کا سارا شیرہ جگر میں پہنچا دے یا صرف آنتوں میں انڈیل دے یا جگر کا حصہ آنتوں کو بھیج دے اور آنتوں کا حصہ جگر کو۔ اگر معدہ اس طرح اُلٹا پلٹا کام کرنے لگے تو جلد ہی پورا جسم موت کا نوالہ بن جائے گا۔ لیکن معدہ اپنے کام میں کوئی اُلٹ پھیر نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ ایک لگی بندھی ترتیب کے ساتھ پورے ڈھنگ سے کام کرتا رہتا ہے۔ یہ کون ہے جو معدے کو اُلٹ پھیر کرنے نہیں دیتا؟ نہ ترتیب الٹنے دیتا ہے نہ بے ڈھنگا پن کرنے دیتا ہے۔ اسے کس نے مجبور بنا رکھا ہے؟ یہ کس کا انتظام اور کس کی تدبیر ہے؟ ضرور کوئی ہے جو اس قدر دیکھ دیکھ کر اور ناپ تول کر معدے کا پسا ہوا شیرہ آنتوں کو اور جگر کو بانٹتا رہتا ہے۔

معدے میں دائیں اور بائیں سرے پر دو سوراخ بھی ہوتے ہیں۔ بائیں سرے کے سوراخ سے کھانے کی نالی جڑی رہتی ہے اور دائیں سرے کا سوراخ چھوٹی آنت سے ملا رہتا ہے۔ کھانے کی نالی سے غذا معدے میں پہنچتی ہے اور معدہ اسے پیس کر تلچھٹ کو داہنے سوراخ سے آنت میں بھیج دیتا ہے۔ یہاں ایک کرشمہ اور بھی ہے: آنت والے سوراخ میں ایک دروازہ سا ہوتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ جو تلچھٹ معدے سے آنت میں پہنچ جاتا ہے؛ وہ اسے پلٹ کر معدے میں آنے سے روکے رکھتا ہے۔ یہ دروازہ اس سوراخ میں کتنا اہم

کام کرتا ہے۔ اگر سرے سے یہ دروازہ ہی نہ ہوتا یا ہوتا مگر کام نہ کرتا تو بڑی گڑ بڑی ہوتی رہتی۔ بار بار تلچھٹ آنت سے واپس معدے میں آجاتا۔ اس طرح نظام ہضم میں زبردست خلل پڑ جاتا۔ یہ کون ہے جس نے داہنے سوراخ میں ایک دروازہ لگا دیا ہے؟ کس کی طاقت سے وہ اتنے اہم کام کو بالکل صحیح صحیح کرتا ہے؟ ضرور کوئی اَن دیکھی طاقت ہے جس کے دباؤ میں ہمارا یہ معدہ کام پر مجبور رہے۔

معدے کی بانٹ کبھی بندر بانٹ نہیں ہوتی کہ آنتوں اور جگر کے حصوں میں کچھ کمی زیادتی ہو جائے۔ دونوں کو صحیح ناپ تول کے ساتھ پورا پورا حصہ ملتا ہے۔ جب باریک باریک رَگوں کے ذریعے معدے کا نچوڑا ہوا صاف ستھرا رس جگر کو ملتا ہے تو جگر یہاں اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔

گوشت جیسا بیگنی شکل کے جمے ہوئے خون کا یہ ایک عضو ہے جو جسم میں دائیں جانب کی نچلی پسلیوں کے نیچے معدے کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ وزن میں ۱۲۰۰ سو گرام سے لے کر ۱۷۰۰ سو گرام تک۔ لمبائی ۱۰ سے ۱۲ انچ، چوڑائی ۶ انچ۔ یہ جگر؛ معدے میں آئے ہوئے رَس کو پکانا شروع کرتا ہے۔ یہ رَس جب خوب پک لیتا ہے تو اوپر جھاگ اٹھنے لگتا ہے۔ اسی جھاگ کو ''صفرا'' کہتے ہیں۔ نیچے جو تلچھٹ رہ جاتا ہے اسی کا نام ''سودا'' ہے اور بیچ کا خوب پکا ہوا حصہ ''خون'' ہوتا ہے اور اس میں جو کچھ کچا رہ جاتا ہے اسے ''بلغم'' کہتے ہیں۔ اس طرح جگر اُس رَس کو پکا کر چار طرح کا مکچر تیار کرتا ہے: ''صفرا، سودا، بلغم اور خون'' اور جو کچھ بچا کھچا رہ جاتا ہے اسے گردے میں ڈال دیتا ہے جو مثانے کے راستے سے پیشاب بن کر خارج ہو جاتا ہے۔

صفراوی مادہ ایک مناسب مقدار میں پتّہ کی تھیلی کے اندر جمع ہو جاتا ہے جو جگر کی داہنی طرف واقع ہے۔ خون ان سب مکچرز کے ساتھ ایک خاص راستے سے گذر کر بدن کی رگوں میں دوڑ جاتا ہے۔ پھر وہاں پکنے کا عمل ہوتا ہے اور بے کار حصہ پسینہ بن کر باہر نکل آتا ہے اور صاف ستھرا خون لمبی چوڑی اور موٹی پتلی رگوں سے ہوتا ہوا پُر پیچ، مہین اور

باریک باریک رگوں میں اتر آتا ہے۔ پھر رگوں کے منہ سے ایک ایک عضو پر بہتا ہے۔ ہر ہر عضو کو خون کا وہی حصہ اور اتنی ہی مقدار پہنچتی ہے جو اسے درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ پھیپھڑے میں خون کا وہ حصہ پہنچتا ہے جس میں سودا کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور گوشت بننے میں خون ہی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جس سے اعضا پرورش پاتے ہیں اور ان کی اچھی نشو ونما ہوتی ہے۔

اُدھر پِتّہ میں جو صفراوی مادہ جمع ہے وہ لَبلَبہ کی نالی کے ساتھ مل کر چھوٹی آنت کے بارہ انگشتی حصے میں پہنچتا ہے۔ اور لبلبہ کی نالی سے سفید تھوک کے مانند ایک رطوبت نکلتی ہے۔ یہ دونوں مل کر چھوٹی آنت میں پڑے تلچھٹ کو ہضم دیتے ہیں۔ اس طرح سے کہ اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں: ایک پتلا دوسرا موٹا۔ پتلا حصہ چھوٹی آنت میں جذب ہو جاتا ہے جو اس آنت کی پرورش میں کام آتا ہے اور موٹے حصے کو چھوٹی آنت دھیرے دھیرے بڑی آنت میں اتار دیتی ہے۔ ۵ فٹ لمبی یہ بڑی آنت چھوٹی آنت سے شروع ہو کر پاخانے کے مقام پر ختم ہوتی ہے۔ بڑی آنت میں پہنچ کر وہ حصہ فضلہ بن کر پاخانے کے مقام سے باہر آ جاتا ہے۔

اگر چھوٹی آنت تلچھٹ کو ہضم کر کے آنت میں نہ پہنچائے تو دوبارہ کھانے کے لئے اس میں خالی جگہ نہ رہے گی تو پھر طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوں گی۔ اعضا کمزور ہوں گے۔ قبض کی شکایت پیدا ہوگی۔ بلڈ پریشر ہائی ہوگا۔ غشی، دردسر، آنکھ اور ناک کی مختلف بیماریاں اور طرح طرح کی تکلیفیں شروع ہو جائیں گی۔ چھوٹی آنت ہضم کا کام اس وقت انجام دے گی جب اسے پِتّہ کا صفراوی مادہ حاصل ہوگا۔ صفراوی مادہ اس وقت پیدا ہوگا جب جگر خون بنانے اور پکانے کا کام کرے گی۔ جگر کو خون اس وقت ملے گا جب معدہ غذا کا رَس نکال کر صاف ستھرے حصے کو جگر تک پہنچائے گا۔ غذا کو رَس بنانے کا کام معدہ اسی وقت کرے گا جب معدہ درست ہو اور ٹھیک ٹھاک کام کر رہا ہو۔

یہ ساری کڑیاں آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح مضبوط جڑی ہوئی ہیں کہ

اگر کوئی ایک کڑی بھی کمزور یا خراب ہوئی تو اس کا برا اثر پورے نظام ہضم پر پڑے گا۔
یہ ہے مضبوط اور مستحکم نظامِ ہضم ....کھایا ہوا ایک لقمہ کس طرح خون بن کر پورے جس میں دوڑتا پھرتا ہے اور اعضا کی پرورش کرتا ہے۔
ایک شخص نے تو صرف کھانے کا ایک لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈال کر چبا لیا تھا۔ کیا اس کے بعد کا اتنا لمبا چوڑا کام خود بخود ہوتا جا رہا تھا؟ ایک لقمہ اُڑ کر آپ کے منہ میں خود بخود نہیں آ سکتا تھا، آپ کو اسے اٹھانا اور چبانا پڑا تو کیا آپ کی عقل اس بات کو جائز سمجھتی ہے کہ لقمہ چبانے سے ہزار گنا مشکل اور بڑا کام خود بخود ہو گیا ہو گا؟ نہیں! ہرگز نہیں! یہ ایک مدبّر کا بنایا ہوا نظامِ ہضم ہے۔ وہی اس نظامِ ہضم کا خالق بھی ہے اور منتظم بھی۔

پھیپھڑے اور دل کا نظام خالقیت کی ایک بڑی نشانی

جس طرح جسم میں خون بننے کا نظام موجود ہے۔ ویسے ہی خون کی صفائی اور اس کے دوران کا بھی نظام قائم ہے۔ یہ خون جو ایک سیّال ہے، حرکت اور حرارت کی بنیاد پر صاف ستھرا رہتا ہے اور جسم کو ٹھنڈا ہونے نہیں دیتا۔ اگر ایسا نہ ہو تو خون گندہ ہو کر بہت سی بیماریوں کو جنم دے گا اور ٹھنڈا ہو کر موت کے منہ میں دھکیل دے گا۔
خون کی حرکت و حرارت کا یہ سسٹم پھیپھڑے اور دل کے عمل سے قائم ہے:
دل کے دو خانے ہوتے ہیں۔ بیچ میں ایک دیوار ہوتی ہے۔ یہ دونوں ایک ساتھ پھیلتے ہیں اور ایک ہی وقت میں سکڑتے ہیں۔ داہنا خانہ جسم کے گاڑھے، سیاہ، خراب خون کو جمع کر کے پھیپھڑوں کو بھیجتا ہے۔ پھیپھڑے سانسوں کے ذریعے خون کے فاسد اجزا کو کاربن ڈائی آکسائیڈ کی صورت میں باہر نکال دیتے ہیں اور تازہ سانس کے ذریعے آکسیجن کے اچھے اجزا کو خون میں شامل کر دیتے ہیں۔ وہ خراب سیاہ خون فوراً ہی صاف ستھرے، سرخ اور شوخ رنگ میں بدل جاتا ہے۔ پھیپھڑے خراب خون کو فلٹر (Filter) کر کے دل کے بائیں خانے کو سپلائی (Supply) کر دیتے ہیں۔ دل اس صاف ستھرے خون

کوشریانوں (دل کی باریک باریک رگوں) کے راستے تمام جسم میں پھیلا دیتے ہیں۔ابھی یہ عمل ختم بھی نہیں ہوتا کہ ایک بار پھر دل کا داہنا خانہ خراب خون کو اپنے اندر جمع کرلیتا ہے۔دل ؛ پھیپھڑوں کو خراب خون دیتا جاتا ہے اور پھیپھڑے اسے صاف ستھرا کر کے لوٹاتے جاتے ہیں اور دل پورے بدن میں اسے پھیلاتا رہتا ہے۔ یہ مسلسل ایک ایسا عمل ہے جو کسی پمپ والی مشین کی طرح جاری رہتا ہے۔پھیپھڑے آکسیجن کو اندر کھینچ کراسے کاربن ڈائی آکسائیڈ بنا کر جو باہر دھکیلتے ہیں اسی کا نام ''سانس'' ہے۔تندرست اور جوان پھیپھڑے ایک منٹ میں ۱۵ بار سانس لیتے ہیں۔اور پھیپھڑے خراب خون لے کر جو صاف ستھرا خون دل کو دیتے ہیں تو دل کی نوک ایک جھٹکے سے سینے کی دیوار سے ٹکراتی ہے۔اس سے جو ہلکی اور نرم آواز پیدا ہوتی ہے اسے ''دھڑکن'' کہتے ہیں۔ایک جوان دل ۷۰ سے ۷۵ بار دھڑکتا ہے۔ یہ دھڑکن برابر ایک توازن سے ہوتی رہتی ہے۔اگر دھڑکن اپنا توازن کھو بیٹھے۔۷۵ کے بجائے ۱۰۰ یا کم ہو کر ۵۰ بار ہی دھڑکے تو پھر یہ خطرے کی گھنٹی ہے۔یا پھیپھڑے فلٹر اور سپلائی کا کام دھیما کر دیں یا ان کے عمل میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو یہ سب تکلیف دِہ بیماریوں کے پیش خیمے ہیں۔

یہ پھیپھڑے کیوں پھیلتے اور سکڑتے ہیں؟ یہ دل کیوں دھڑکتا رہتا ہے؟ پھیپھڑوں کے اندر یہ اعتدال اور دل میں اتنا توازن کہاں سے آیا ہے؟ اس قدر حیرت انگیز اور مستحکم نظام کہ جس کے بند ہو جانے سے انسان مردہ........کس کا قائم کیا ہوا ہے؟ یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے؟ موت آنے سے یہ نظام رک کیوں جاتا ہے؟ یا اس کے رکنے سے موت آتی ہے تو اسے چلتے چلتے روک کس نے دیا؟ کبھی ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ یہ نظام بند ہو جانے کے دو چار دن بعد پھر شروع ہو جائے؟ یہ سارے سوالات کہہ رہے ہیں کہ اِس کے پیچھے کوئی ''اتفاق'' کارفرما نہیں۔ بلکہ کوئی بڑی طاقت ہے جو اپنی مرضی سے حکمت بھرے انداز میں اس نظام کو چلا رہی ہے۔ جب تک اُس کی مرضی ہے یہ نظام چل رہا ہے، اِسے روکنے والا کوئی نہیں اور جب اُس کی مرضی ختم تو یہ نظام بھی بند۔ اِسے دوبارہ

شروع کرنے والا کوئی نہیں۔

اگر انسان اپنے جسم کے اس حیرت انگیز نظام ہی پر غور کرے تو اسے ایک ایسی طاقت وَرہستی کا ضرور اعتراف ہو جائے گا جو اس کائنات کو بھی اپنی تدبیر اور اپنے انتظام سے چلا رہی ہے۔ جب ۷۰،۷۵ کلوگرام کا یہ جسم اس کے بغیر نہیں چل رہا تو اتنی بڑی کائنات اس کے بغیر کیسے چل پڑی ہے؟؟؟

بچے کی پیدائش خالقیت کی روشن دلیل

جسم کے اندر ایک ایسا نظام .... جس سے خون بنتا ہے اور پھر وہ خون جسم کے تمام اعضا کی پرورش کرتا ہے.......... ایک اور زبردست کارنامہ انجام دیتا ہے۔ جسم کا ایک ایک عضو آخری مرحلے کے خون کی ایک مناسب مقدار لے لے کر اپنی پرورش پر خرچ کرتا ہے۔ سارے خرچ کے بعد بچا کچھا حصہ مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے میں چڑھ جاتا ہے۔ پھر وہاں سے اتر کر خصیتیں میں آ کر پکتا ہے۔ پوری طرح پک لینے کے بعد گاڑھی، سیّال، بودار رطوبت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جس کو ''منی'' کہتے ہیں۔ یہ منی پکنے کے بعد خصیتین سے نکل کر منی کی تھیلی میں آ آ کر جمع ہوتی ہے۔

تیار منی کی ایک بوند کے تین حصے ہوتے ہیں:

ایک انڈے کی سفیدی کی طرح شفاف اور لیس دار پانی۔

دوسرے گول گول چھوٹے چھوٹے انڈے۔

تیسرے باریک باریک ہزاروں جرثومے (کیڑے) جو انہی انڈوں میں رہتے ہیں۔

یہ چھوٹے چھوٹے باریک جرثومے بھی عجیب حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ ہر ایک جرثومے کا ایک گول سر، ایک درمیانی جسم اور ایک باریک سی دُم ہوتی ہے اور اس کے اند صاحبِ منی کے آباؤ اجداد کی بے شمار صفتیں اور خصوصیتیں رَچی بسی ہوتی ہیں۔ یہ کیڑا ماں کے پیٹ میں بچے کی شکل پاتا ہے اور اپنے باپ دادا کی چال چلن لے کر دنیا میں آتا ہے۔

کیا یہ حیرت انگیز عمل نہیں؟! خون کی تلچھٹ میں یہ کیڑا کہاں سے آ گیا؟ وہ بھی ایسا عجیب وغریب کیڑا جو پیٹ میں پرورش پا کر آدمی کی شکل وصورت لے لیتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ ایک اتفاق ہے اور آپ ہی آپ ہورہا ہے؟ تو خون کے ہر ہر حصے میں یہ کیڑا کیوں نہیں پیدا ہوجاتا؟ خصیتین میں پکنے کے بعد ہی کیوں پیدا ہوتا ہے؟ خون سے منی اور پھر منی میں کیڑے بننے کا یہ سسٹم کس کا بنایا ہوا ہے؟ انسان کے علاوہ اور بھی بہت سے جانداروں میں منی کا یہ مادہ ہوتا ہے مگر اس کے کیڑے سے یہ مادہ کوئی انسان نہیں بنتا۔ اگر یہ اتفاق ہے تو کبھی ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جانوروں کی منی سے انسان اور انسان کی منی سے جانور پیدا ہوں۔ انسان کی منی سے انسان اور جانوروں کی منی سے جانور ہی کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ ضرور کوئی ایسا مدبّر ہے جو اتنے ڈھنگ سے اور پورے سسٹم سے یہ سارا کام چلا رہا ہے جس میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی۔

ایسا بھی نہیں کہ پانی کی ایک ننھی سی بوند سے بچہ بننے میں کئی برس بیت جاتے ہیں اور یہ بھی نہیں کہ عورت کے پیٹ میں منی ٹپکتے ہی دو چار دن کے اندر اندر بچہ تیار ہوکر باہر آجاتا ہے۔ اس کے لئے پورا ایک نظام ہے۔ مرد کی منی کے ہزاروں جرثومے اور عورت کی منی کے ہزاروں جرثومے ایک دوسرے سے ملنے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ ان ہزاروں جرثوموں میں سے مرد کا کوئی ایک جرثومہ عورت کے کسی ایک جرثومے سے جب مل جاتا ہے تو وہ ایک خلیے کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ پھر وہ خلیہ کئی مرحلوں سے گذر کر ایک خوبصورت بچے کی شکل پاتا ہے۔ اگر وہ خلیہ کسی ایک مرحلے کو بھی طے کرنے سے انکار کردے تو کبھی زندگی میں بچہ نہیں بن سکتا۔ اِس کے تین مرحلے ہیں:-

پیدائش کے تین مرحلے

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ وہ خلیہ سیدھا بچہ دانی میں نہیں گھس جاتا، بلکہ پہلے پیڑو والے گڈھے میں پہنچتا ہے۔ اس پیڑو کے کنارے اور بچہ دانی کے اوپری حصے میں دو پتلی پتلی

نالیاں ہوتی ہیں جن کے سرے پھولوں کی طرح کھلے ہوتے ہیں۔ جیسے ہی خلیہ پیڑو میں پہنچتا ہے؛ وہ نالیاں پانی کی پچکاری کی طرح اسے اپنے اندر کھینچ لیتے ہیں۔ چالیس دنوں کے بعد وہ جمنا شروع ہوتا ہے اور جمتے جمتے خون میں بدل جاتا ہے۔ یہ عمل چالیس دنوں میں مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ سَرَک کر دوسرے سرے سے بچہ دانی کے اندر ایک لعاب دار جھلّی کی اوپری سطح پر آ جاتا ہے جو باریک باریک بالوں جیسی سطح کے مشابہ ہوتی ہے۔ یہاں آ کر وہ جما ہوا خون گوشت میں بدلنے لگتا ہے۔ چالیس دنوں کے بعد وہ نپا تلا گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ لعابدار جھلّی کے اردگرد پانی سے بھری ایک پوٹلی ہوتی ہے؛ وہ لوتھڑا اب اسی میں آ جاتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد اس میں کچھ آڑی ترچھی لکیریں بنتی ہیں۔ دھندلے دھندلے خانے بنتے ہیں۔ پھر دھیرے دھیرے اعضا نمودار ہونے لگتے ہیں۔ ہڈیاں نکلتی ہیں پھر اس پر گوشت چڑھتا ہے۔ جسم تیار ہوتا ہے۔ شکل بنتی ہے پھر ایک خوبصورت بچہ ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کے بعد اس میں جان پڑتی ہے اور وہ حرکت میں آ جاتا ہے۔ بقیہ مہینوں تک پانی میں تیر تا رہتا ہے اور حیض کا خون کھا کھا کر زندہ رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ ماں کے پیٹ سے باہر آ جاتا ہے۔

چھوٹے سے خلیے کو بچہ بنانے میں پورا ایک سسٹم کام کرتا ہے۔ اتنا مضبوط اور باریک کام کیا خود بخود چلتا رہتا ہے؟ ایک معمولی سی باریک سوئی تو خود بخود ڈھل نہیں سکتی یہ عظیم شاہکار بچہ کہاں سے ٹپک پڑے گا؟

یہ اتفاق معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ کروڑوں بچے ہوتے ہیں مگر کسی کی شکل دوسرے سے ملتی جلتی نہیں۔ نہ یہ اتفاق ہے اور نہ کسی فیکٹری کا ڈھلا ہوا مال کہ سب کا سائز ایک برابر اور سب کی صورت ایک جیسی .... یہ کسی بہت بڑی حکمت والی ہستی کا کام ہے۔ جو اپنی قدرت اور مشیت سے پیٹ کے اندر پانی کی ایک بوند سے نئی نئی شکل کا بچہ بناتا ہے۔

قدرت کا کمال یہیں ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ خون سے بنے ہوئے گوشت پوست کے جسم کی جب سائنسی تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ اس میں کچھ کیلشیم بھی ہے، کچھ میگنیشیم بھی۔

کچھ فاسفورس بھی ہے، کچھ آئرن بھی۔ کچھ گندھک بھی ہے، کچھ کاربن بھی۔ کچھ روغنیات اور پانی بھی۔

یہ خون کی پھٹکی سے بنے ہوئے انسانی جسم میں حیرت انگیز طور پر یہ سارے عناصر کہاں سے شامل ہو گئے؟

کیا انسان کا یہ حیرت انگیز جسم اس بات کی گواہی نہیں دیتا کہ وہ اتفاق سے نہیں بلکہ پوری پلاننگ سے بنتا ہے؟ وہ خود بخود نہیں بلکہ زبردست حکمت اور پوری تدبیر کے ساتھ پیدا ہوا ہے؟!!! ۷۵ کلوگرام کا یہ ۶ فٹ لمبا جسم جب خود بخود نہیں بن سکتا تو اتنی لمبی چوڑی کائنات ''محض اتفاق'' سے کیسے ہونے لگی؟

شہد کی مکھی خالقیت کی ایک دلکش نشانی

کائنات کی ایک ایک چیز بول رہی ہے کہ ہمارا وجود محض اتفاق نہیں، بلکہ خاص حکمت کا نتیجہ ہے۔ ہم خود بخود نہیں بلکہ سوچی سمجھی اسکیم ہیں۔ انسان تو بہت دور کی بات ہے، کیڑے مکوڑے، چرند پرند، حقیر سے حقیر جانور بھی اپنے خالق کا پتہ دیتے ہیں۔ مکھیاں کس قدر حقیر سمجھی جاتی ہیں مگر اُنہی مکھیوں میں ایک شہد کی مکھی بھی ہے۔ اس کا وجود، اس کے جسم کی بناوٹ، اس کے رہن سہن کے طریقے........سب بتاتے ہیں کہ یہ کوئی آٹو میٹک سسٹم نہیں، بلکہ کوئی کرنے والا اور کوئی بنانے والا ہے جو اتنی حکمت اور اتنے منظّم انداز میں کرتا چلا جا رہا ہے۔

شہد کی مکھی جب اپنا گھونسلہ بنانا چاہتی ہے تو پہلے وہ اُڑ اُڑ کر زمین کا دورہ کرتی ہے۔ اُس کے بعد کسی مناسب جگہ کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ پھر وہ تنکے چن چن کر لاتی ہے اور اُس سے ایک ایسا گھر بناتی ہے جس کے اوپری حصے میں روشندان ہوتے ہیں تا کہ اندر روشنی آ سکے۔ ضرورت کے وقت گھر کو مقفل کرنے کا سسٹم بھی ہوتا ہے۔ رات کے وقت بارش اور شبنم سے بچنے کے لئے وہ اپنے گھر کو مقفل کر دیتی ہے۔ نمی سے بچنے کے لئے گھر

کی دیواروں پر موم کے خانے رکھ دیتی ہے۔ پھر اس کے بعد انڈے دیتی ہے۔ ہر تیسرے ہفتے میں ۶ ہزار سے ۱۲ ہزار تک انڈے دیتی ہے۔ پھر اس میں سے چھوٹے چھوٹے بچے نکلتے ہیں جو موم کی گدی جیسی گول نما چیز پر سوتے ہیں۔ ان کی نشو ونما ہوتی ہے۔ ان کے جسم کے تین حصے بنتے ہیں ۔ اگلے حصے میں گول سر ہوتا ہے۔ بیچ کا حصہ مربع مکعب ہوتا ہے اور آخری حصہ مخروطی۔ چار پاؤں، دو ہاتھ۔ اس طرح ان کا جسم شکل مسدّس کے ضلعوں کی طرح برابر برابر ہوتا ہے۔ جب وہ کھڑے ہونے لگتے ہیں تو ان کے کاندھوں پر چار پر نکل آتے ہیں۔ پوری نشو ونما پانے کے بعد جب وہ اڑنے پھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو اپنی روزی کی تلاش میں پھولوں کی طرف نکل پڑتے ہیں۔ پھولوں کے نچلے حصے کا رس چوس کر بالوں کی بنی ہوئی ایک ٹوکری میں رکھ کر حفاظت سے لاتے ہیں۔ کئی میل تک ادھر ادھر اڑتے پھرنے کے باوجود سیدھے اپنے گھر میں آتے ہیں۔ کہیں راستہ نہیں بھولتے۔ چوسا ہوا رس شہد ہو جاتا ہے۔ وہ اس شہد کے ایک حصے سے موم بناتے ہیں اور دوسرے حصے سے چھوٹی مکھیوں کے کھانے کی روٹی۔

یہ شہد کی مکھیاں ہیں اور یہ روزی روٹی کے لئے ان کی بھاگ دوڑ۔

آپ ذرا ان مکھیوں کے طریقۂ کار میں خوب دماغ لگا کر بتایئے کہ آج تک بڑے بڑے ماہر نباتات کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ کس پھول میں اور پھول کے کس حصے میں شہد ہوتا ہے؟ رَس کو شہد میں تبدیل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو ان مکھیوں کو کس نے بتا دیا کہ فلاں فلاں پھول کے نچلے حصے میں شہد کا رَس ہے؟!!! اُنھیں رَس کو شہد میں تبدیل کرنے کی تھیوری کہاں سے معلوم ہوئی؟ وہ کون سا ہنر ہے جس سے وہ شہد سے موم نکالتی ہیں اور پھر اسی سے چھوٹی مکھیوں کی غذا تیار کرتی ہیں؟!!! انسان جو اُن مکھیوں سے علم و ہنر میں کروڑوں درجے آگے ہے۔ بلکہ دونوں کا آپس میں کوئی موازنہ ہی نہیں، لیکن بے چارہ انسان آج تک شہد کی ایک بوند نہ بنا سکا۔ یہ کون ہے؟ جس نے شہد کی ایک حقیر سی مکھی کو اتنا بڑا ہنر دے دیا ہے؟ یہ کس کا انتظام ہے کہ پھول کا رَس شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے؟

شہد کا حیرت انگیز چھتّہ

رَس کا شہد میں تبدیل ہو جانا جس قدر حیرت انگیز ہے، اُسی قدر شہد سے موم اور موم سے چھتہ تیار ہونے کا عمل بھی حیرت انگیز ہے۔ شہد کا چھتّہ ایک شاندار کاریگری کا زبردست کمال ہے۔ شہد کی مکھی کسی انجینئر کی طرح اپنا چھتّہ تیار کرتی ہے۔

ایک انجینئر جب کسی عمارت کا نقشہ تیار کرتا ہے تو پہلے زمین کی صحیح پیمائش کرلیتا ہے تاکہ عمارت بننے کے بعد زمین کا کوئی حصہ ضائع نہ جائے اور کھڑکی دروازوں کا صحیح رخ بھی سمجھ لیتا ہے تاکہ عمارت ہر طرح سے محفوظ اور خوبصورت ہو۔ شہد کی مکھی کا چھتّہ بھی کسی انجینئرنگ کا نمونہ ہوتا ہے۔ لوگ مختلف شکل کی عمارت بناتے ہیں۔ کسی کی شکل مربع ہوتی ہے کسی کی مستطیل۔ کسی کی مسدّس ہوتی ہے کسی کی مستدیر۔ اپنے اپنے حساب سے الگ الگ زاویے کے گھر بنائے جاتے ہیں۔

شہد کی مکھی اپنا چھتّہ مسدّس اور مستطیل شکل کا بناتی ہے۔ وہ مربع گھر نہیں بناتی کیونکہ اس کے اپنے جسم کی بناوٹ مسدّس ہے۔ اگر وہ مربع قسم کا گھر بنائے گی تو اس کے کچھ حصے ضائع جائیں گے۔ جب کسی مسدّس شکل کو مربع میں رکھیں گے۔ تو اس مربع کے چاروں گوشوں میں چار زاویے خالی پڑے رہ جائیں گے۔ شہد کی مکھی اپنے گھر میں ایسے بے کار گوشوں کو رکھنا پسند نہیں کرتی۔

وہ مستدیر شکل والا گھر بھی نہیں بناتی، کیونکہ جب چند مستدیر شکلوں کو جمع کر کے ایک ساتھ ملایا جائے گا تو بیچ بیچ میں کشادہ خالی جگہ چھوٹتی جائے گی۔ اس صورت میں کشادہ روزن سے ہوا اندر داخل ہو جائے گی۔ شہد کی مکھی اپنے بچوں کو اور شہد کے ذخیرے کو محفوظ کرنے کے لئے مستدیر شکل کا گھر نہیں بناتی۔ اس کا گھر مسدّس اور مستطیل ہوتا ہے تاکہ نہ وہ غیر محفوظ رہے اور نہ اس کی جگہ بے کار پڑی رہے۔ ایسے مسدّس گھر میں (جو تھوڑا مستدیر بھی ہوتا ہے اور مستطیل بھی) مسدّس، مستطیل شہد کی مکھی ٹھیک ٹھیک اندر جا کر سما جاتی ہے۔

یہ ایک مسدّس گھر ہوتا ہے جس کے تمام ضلعے اور زاویے برابر برابر ہوتے ہیں۔ ایک انجینئر اپنی پیمائش میں غلطی کر جاتا ہے مگر یہ مکھی ضلعے اور زاویے بنانے میں کبھی غلطی نہیں کرتی۔ کیا یہ حیرت انگیز نہیں؟ شہد کی مکھی ایک چھتے میں بیس ہزار سے تیس ہزار تک خانے (کمرے) بناتی ہے۔ کیا یہ کاریگری کا کمال نہیں؟ غریب اَن پڑھ شہد کی مکھی کو اتنی بڑی کاریگری کہاں سے ہاتھ آ گئی؟ ایک عقلمند اور تیز ذہن کا انسان برسوں جھک مارتا ہے۔ تب کہیں اسے تعمیر کا فن آتا ہے۔ اتنا باریک اور محنت کا فن کیا مکھی کو خود بخود آ گیا؟ نہیں نہیں!! اسے بھی بتانے اور سکھانے والا کوئی ہے۔ یہ وہی ہے جس نے مکھی کو پیدا کیا اور چھتے کی تعمیر کا فن سکھایا۔ ہاں! یہ وہی ہے جس نے حقیر سی مکھی کو بھی پیدا کیا ہے اور اتنی بڑی کائنات کو بھی۔

مکڑی کے جالے خالقیت کے نمونے

شہد کی مکھی سے زیادہ حقیر ''مکڑی'' ہے۔ مگر وہ مکھی سے بھی حیرت انگیز کارنامے انجام دیتی ہے۔ یہ مکڑی مختلف ملکوں میں مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ ہندوستان میں پائی جانے والی عام مکڑی جس کے آٹھ پاؤں ہوتے ہیں اور وہ جالا بننے میں ماہر ہوتی ہے؛ عموماً ایک جھول میں دو ہزار انڈے دیتی ہے۔ افریقہ میں پائی جانے والی مکڑی کی ایک ایسی قسم ہے جو انڈوں کے بجائے ایک تھیلی جنتی ہے جس کے اندر کئی ہزار انڈے موجود ہوتے ہیں۔ تھیلی پھول کر دو ہفتے میں باجرے کے دانے کے برابر ہو جاتی ہے۔ پھیلتے پھیلتے پھٹ جاتی ہے اور انڈوں کے بچے یکا یک کسی ریلے کی صورت باہر نکل آتے ہیں۔ مکڑی کے جسم سے نکلنے والا لعابدار تار روئی اور ریشم سے زیادہ نرم ہوتا ہے مگر یہ باہر کی فضا میں آتے ہی سوکھ جاتا ہے۔ یہ تار دُم کے پاس موجود چار سوراخوں سے نکلتا ہے۔ ہر تار چار باریک تاروں سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ ان چاروں میں سے ہر ایک؛ ایک ہزار باریک تاروں سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ اس طرح چار سوراخوں سے نکلنے والے چاروں تار ایک ایک ہزار تاروں

کے گچھے ہوتے ہیں۔ چار ارب تاروں کا گچھا داڑھی کے ایک بال سے بھی زیادہ موٹا نہیں ہو پاتا۔ اور وزن میں اتنا ہلکا ہوتا ہے کہ تقریباً بیس تولے کا ایک لچھا لے کر کرۂ زمین پر دو بار لپیٹا جا سکتا ہے۔ مکڑی انہیں عجیب و غریب تاروں سے اپنے جالے بنتی ہے۔ شکار کے لئے جو جالا بنتی ہے وہ صنّاعی کا حیرت انگیز نمونہ ہوتا ہے۔ اس کی شکارگاہ کا ہر ضلع اور زاویہ برابر ہوتا ہے جسے اگر پرکار سے ناپا جائے تو کوئی فرق ظاہر نہیں ہوگا۔ تیار ہو جانے کے بعد چار پانچ بار پھر وہ ہر ہر تار کو دہراتی اور مضبوط کرتی ہے۔ اپنی رہائش کے لئے جو جالے بنتی ہے اس میں تالے کا بھی انتظام رہتا ہے جسے وہ اندر سے بند کرتی ہے۔ انڈے محفوظ کرنے کے لئے سفید رنگ کا جِھلّی دار گھر بناتی ہے۔ بعض مکڑیاں پھیلا کر جالے نہیں بُنتیں، بلکہ ریشم کے گول خول کی طرح ایک خوشنما گھر تیار کرتی ہیں۔ بعض کیڑے اس گھر کو دیکھنے کے لئے خود بخود اندر گھس جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے مکڑی کے جال میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔

یہ مکڑیاں صرف رہائش گاہ یا شکارگاہ ہی نہیں تیار کرتیں، بلکہ خیمے اور پل بھی بناتی ہیں۔ کشتی اور ہوائی جہاز بھی۔ ایک درخت سے دوسرے درخت پر جانے کے لئے وہ اپنے تار کا ایک پل بناتی ہیں۔ ایک درخت سے تار چپکا کر دوسرے درخت تک کھینچ کر لے جاتی ہیں۔ اس طرح آنے جانے کا ایک پل تیار ہو جاتا ہے۔ وہ ایک چھوٹی کشتی بھی تیار کرتی ہیں۔ چند سوکھے پتوں کو اپنے تاروں سے جوڑ لیتی ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے مضبوط باندھ لیتی ہیں۔ اسے کھینچ کر پانی کے کنارے لے جاتی ہیں اور اس پر بیٹھ کر پانی میں اتر جاتی ہیں اس طرح پتّے چھوٹی کشتی کے مانند پانی پر تیرتے رہتے ہیں۔ اس پر بیٹھ کر شکار بھی کرتی ہیں۔ جیسے ہی کوئی مکھی نظر آتی ہے، کشتی کو تیز دوڑا کر اس کے پاس پہنچ جاتی ہیں اور منہ کی طرف سے اس کو دبوچ لیتی ہیں۔ کبھی وہ اس طرح کے ہلکے پھلکے گھنے جالے بنتی ہیں جو ہوا میں لہرا کر بادلوں کی طرح آسمان میں اُڑتے رہتے ہیں۔ اس طرح مکڑیاں آسمانوں کی سیر کرتی ہیں۔ یہ ان کا ہوائی جہاز ہوتا ہے۔

ان غریب مکڑیوں کو کسی انجینئر کی طرح جالا بننا کس نے سکھایا؟ کس معمار کی تربیت میں انہوں نے اپنے لئے رہائش گاہ کی تعمیر کا فن معلوم کیا؟ کس ماہر انجینئر نے انہیں پل بنانے کے لئے ٹرینڈ کیا؟ کس بڑھئی سے کشتی بنانے کا ہنر سیکھا اور کس سائنسداں نے انہیں جہاز بنانے کی تھیوری پیش کی؟

یہ بے چاری اَن پڑھ مکڑیاں یہ سارا کام کیونکر انجام دیتی ہیں؟ اس قدر عجیب و غریب اور حیرت انگیز کارنامے خود بخود تو نہیں ہو سکتے۔ ضرور کوئی ہے جس نے انہیں ایک ایک کام کا سلیقہ اور ایک ایک چیز کا ہنر دیا۔ وہ ایک اَن دیکھی ہستی ہے جس نے حقیر مکڑیوں کو ایک ماہر فنکار بنا دیا۔ جب ایک حقیر سی مکڑی خود بخود کچھ نہیں کرتی تو یہ چاند، سورج، زمین اور آسمان کے ستارے اور سیّارے کیسے خود بخود گردش میں رہ کر روشن ہو سکتے ہیں؟ ضرور ان سب چیزوں کا کوئی خالق ہے جو اپنی تدبیر، اپنی حکمت اور اپنے مستحکم نظام سے ان سب کو ٹھیک ٹھیک چلا رہا ہے۔ اس کائنات کا خالق حقیر سے حقیر چیزوں کے ذریعے بھی اپنی خالقیت کا اعلان کرتا آ رہا ہے اور عظیم سے عظیم کارناموں کے آئینے میں بھی اپنی حاکمیت کی تصویر چھاپتا رہا ہے۔ ایک صحیح الدّماغ ہوشمند دانا اور صاحب نظر انسان کہیں نہ کہیں ضرور خالق کو پا لیتا ہے اور اس کی اعلیٰ حکمت، عمدہ تدبیر اور مستحکم نظام کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتا۔

شہتوت کا ایک درخت اور خالق کائنات

ایک شہتوت کے درخت کو دیکھئے! اس کے سارے پتّے ایک جیسے ہوتے ہیں رنگ، بو، مزا اور طبیعت سب کی ایک جیسی۔ لیکن جب اس پتّے کو کِرم پِیلا (ریشم کا کیڑا) کھاتا ہے تو اس کے لعاب سے ریشم نکلتا ہے۔ شہد کی مکھی چوستی ہے تو اس کے رَس سے شہد بنتا ہے۔ ہرن کھاتی ہے تو اُس کے نافے میں مشک پیدا ہوتا ہے اور بکری کھاتی ہے تو مینگنی نکالتی ہے۔ جب اُس پتّے کی طبیعت ایک تھی تو کس نے اُس ایک سے اتنی مختلف چیزیں پیدا کر ڈالیں؟ یہ کس کی تدبیر کا کرشمہ تھا؟ کوئی تو ہے جس نے ایک معمولی سے پتّے کو بھی

اپنی حکمتوں سے بھر دیا ہے۔ جب ایک پتہ اس کی تدبیر سے باہر نہیں تو اتنی بڑی کائنات کیسے اس کے نظام کے بغیر چلنے لگی۔ یقیناً وہ کائنات اور کائنات کے ایک ایک ذرے کا خالق بھی ہے اور مدبر بھی۔ کائنات کے اُسی خالق و مدبّر کا نام ''اللہ'' ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اِس دلیل کو دہریوں کی ایک جماعت کے سامنے پیش فرمایا تو وہ سب تڑپ کر واہ واہ کرنے لگے اور اُسی وقت آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر خالق کائنات کے آگے جھک گئے۔

آیئے! ہم بھی اُسی خالق کائنات، وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور پڑھتے ہیں:

سُبُحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی.....سُبُحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی

تمت

ارشد جمال اشرفی